بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اسلام اور تفریحات

سید جلال الدین عمری

زندگی میں تفریحات کا بھی ایک مقام ہے۔ اس سے آدمی فرحت اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ تفریح کا ایک بڑا ذریعہ کھیل کود ہے۔ ہر قوم کے اپنے مخصوص کھیل کود ہوتے ہیں۔ اب تو بعض کھیل بین الاقوامی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

بچوں کو کھیل کود سے زیادہ دل چسپی ہوتی ہے۔ یہ ان کی عمر کا ایک فطری تقاضا ہے۔ لیکن اس میں شغف اور انہماک سے زندگی کے اعلیٰ مقاصد نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں، اس لیے بہت سے لوگ کھیل کود کو پسند نہیں کرتے اور بچوں کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ بچہ کو کھیل کود کا مناسب موقع ملنا چاہئے۔ اس سے اس کی صحت اور تندرستی پر خوش گوار اثرات پڑتے ہیں جو بچہ کھیل سے دور رہتا ہے یا دور رکھا جاتا ہے، اس کی صحیح نشو و نما نہیں ہو پاتی اور وہ کم زور صحت کے ساتھ میدانِ عمل میں آتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بچہ بہت سی باتیں اپنے ہم جولیوں کے ساتھ کھیل کود میں سیکھتا ہے۔ اس میں صبر و ضبط، نظم اور ڈسپلن، جرات و ہمت اور مسابقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ چیز کسی اور ذریعہ سے مشکل ہی سے پیدا کی جا سکتی ہے۔

اہل عرب میں جو کھیل رائج تھے عہدِ وحی و رسالت میں بچے وہی کھیل کھیلتے تھے۔ اسلام نے انھیں اس سے منع نہیں کیا بلکہ ایک طرح سے ترغیب دی اور ہمت افزائی فرمائی۔ احادیث میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت انسؓ کا کم سن صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ کی عمر دس برس تھی۔ آپ کی بعض روایات یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ہم کم سن بچے کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمیں سلام فرمایا[1]

---

[1] ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی السلام علی الصبیان۔ مسند احمد: ۱۸۳/۳

آپ نے بچوں کے کھیل کود پر کوئی زجر و توبیخ نہیں کی بلکہ سلام کے ذریعہ خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ آپ کے رویہ میں اسلامی اخلاق کی تعلیم بھی تھی اور معصوم بچوں کی ہمت افزائی بھی۔

۲۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ آپ نے ایک دن مجھے ایک ضرورت سے بھیجنا چاہا۔ میرے دل میں گو آپ کے حکم کی تعمیل ہی کا ارادہ تھا لیکن میں نے کہا خدا کی قسم میں نہیں جاؤں گا۔ پھر وہاں سے نکلا۔ بازار میں بچے کھیل رہے تھے۔ میں وہیں رک گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچانک تشریف لائے اور پیچھے سے مجھے پکڑ لیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ مسکرا رہے تھے۔ پیار سے فرمایا اے انیس! میں نے جہاں بھیجا تھا وہاں نہیں گئے۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ! ابھی جا رہا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے نو دس برس آپ کی خدمت کی۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کہ کوئی کام میں نے کیا ہو اور آپ نے کہا ہو کہ یہ کیوں کیا؟ یا کوئی کام نہ کیا ہو تو آپ نے باز پرس کی ہو کہ کیوں نہیں کیا؟[1]

خادم کو کسی کام سے بھیجا جائے اور وہ کھیل میں لگ جائے تو آدمی غضبناک ہو جائے گا لیکن آپ کی شفقت کا یہ عالم کہ آپ ذرا خفا نہیں ہوئے۔ پھر آپ نے حضرت انس اور اُن کے ساتھیوں کو کھیل سے منع نہیں فرمایا صرف اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ جس کام کے لیے کہا گیا ہے وہ کر دیں۔ یہ اس بات کا خاموش درس بھی تھا کہ کھیل کود کے لیے دوسری اہم ضرورت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ فرماتے ہیں کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمیں سلام کیا۔ ایک ضرورت سے مجھے بھیجا۔ گھر پہونچنے میں تاخیر ہوئی تو میری ماں نے تاخیر کی وجہ پوچھی۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کام سے بھیجا تھا۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا کام تھا؟ میں نے عرض کیا وہ تو ایک راز کی بات ہے۔ ماں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کسی کے سامنے افشا نہ کرنا۔ چنانچہ میں نے یہ راز کبھی کسی سے بیان نہیں کیا۔ اپنے شاگرد ثابت سے کہتے ہیں اگر کسی سے بیان کرتا تو تم سے ضرور بیان کرتا۔[2]

یہ اس تربیت کا نتیجہ تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی تھی۔

---

[1] مسلم، کتاب الفضائل، باب حسن خلقہ۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الحلم واخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[2] مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، فضائل انس بن مالک۔

۴۔ فرماتے ہیں میرا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ اس کا نام ابو عمیر تھا۔ وہ نغیر نام کے ایک پرندہ سے کھیلا کرتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو اس سے پوچھتے 'ابا عمیر ما فعل النغیر' ابو عمیر! نغیر کا کیا حال ہے؟[1]

یہ بچوں کے کھیل سے مسرت اور دلچسپی کا اظہار ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ کو دیکھتے ہی میں دروازہ کے پیچھے چھپ گیا۔ آپ نے مجھے بلایا اور پیار سے دونوں شانوں کے درمیان دست مبارک مارا اور فرمایا ذرا (حضرت) معاویہؓ کو بلا لاؤ۔[2]

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ وہ، قثم بن عباس اور عبیداللہ بن عباسؓ کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر پہونچے اور (وہاں موجود لوگوں سے) فرمایا: ذرا اسے اوپر مجھ تک اٹھاؤ۔ جب مجھے اوپر اٹھایا گیا تو سواری پر آگے بٹھالیا۔ پھر فرمایا ذرا قثم کو بھی اٹھاؤ۔ انہیں پیچھے بٹھالیا۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔[3]

حضرت یعلی العامریؓ کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دعوت میں جا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کی طرف رخ فرمایا کہ حضرت حسینؓ نظر آئے۔ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پکڑنا چاہا تو وہ اِدھر اُدھر چھپ رہے تھے اور آپ مسکرا رہے تھے۔ بالآخر آپ نے انھیں پکڑلیا۔ اپنا ایک ہاتھ گردن پر اور دوسرا تھوڑی کے نیچے کیا، دہن مبارک حضرت حسین کے منہ پر رکھا اور پیار کیا۔ فرمایا حسینؓ مجھ سے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ جو حسینؓ سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے۔ حسین میرا ایک نواسا ہے۔[4]

حضرت عقبہ بن عامرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کا واقعہ بیان

---

[1] بخاری، کتاب الادب، باب الکنیۃ للصبی، مسلم، کتاب الآداب، باب جواز تکنیۃ من لم یولد الخ

[2] مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب من لعنہ النبیؐ او سبہ الخ

[3] مسند احمد: ۱/۲۰۵

[4] مسند احمد: ۴/۱۷۲

کرتے ہیں کہ میں ایک روز عصر کی نماز کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ نکلا۔ حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں حضرت حسنؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں اٹھاکر اپنے شانوں پر بٹھالیا۔ کہا صحیح بات یہ ہے کہ حسنؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہیں۔ علیؓ سے مشابہ نہیں ہیں۔ حضرت علیؓ مسکرا رہے تھے۔[1]

ابوایوب کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ جمعہ کے لیے مسجد جارہا تھا۔ انھوں نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ بھی ساتھ ہے۔ اس سے کہا۔ اے لڑکے جاؤ! کھیلو! (نماز میں دیر ہے) اس نے کہا میں تو (ابھی) مسجد جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا جاؤ کھیلو! اس نے پھر کہا میں تو مسجد جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے پوچھا۔ کیا تم امام کے آنے تک بیٹھے انتظار کروگے؟ اس نے جواب دیا ہاں! انھوں نے اسے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد میں نے سنا ہے کہ فرشتے جمعہ کے روز مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ لوگ جس ترتیب سے آتے ہیں اسی ترتیب سے ان کے نام لکھتے چلے جاتے ہیں۔ جب امام خطبہ کے لیے منبر پر پہونچتا ہے تو وہ دفتر بند کردیتے ہیں۔[2]

کھیل کود سے بچہ کی دلچسپی فطری ہے۔ یہ دلچسپی برقرار رہنی چاہیے۔ نماز اور وہ بھی نماز جمعہ کی اہمیت مسلّم ہے۔ لیکن اس میں زیادہ وقت لگنے سے بچہ کے اندر اکتاہٹ پیدا ہوسکتی ہے۔ اس لئے حضرت ابوہریرہؓ نے اسے کھیلنے کے لیے کہا لیکن جب انھوں نے اس کا ذوق وشوق دیکھا تو اس کی فضیلت میں حدیث سنائی اور اس کے دینی رجحان کو تقویت پہونچائی۔

زمانۂ قدیم سے گڑیاں لڑکیوں کے کھیل میں شامل رہی ہیں۔ ان کے ذریعہ لڑکیوں کو خانگی نظم ونسق، سینے پرونے اور زیجوں کی تربیت وغیرہ کی کھیل ہی کھیل میں تعلیم ملتی رہتی ہے۔ عرب میں بھی لڑکیاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کی کم سنی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہوئی تھی۔ ان کی جب رخصتی ہوئی تو ان کی گڑیاں ان کے ساتھ تھیں۔[3] کہتی ہیں کہ میں آپ کے گھر گڑیوں سے

---

[1] بخاری، مناقب الصحابۃ، باب مناقب الحسن والحسین   [2] مسند احمد: ۲/ ۴۸۳

[3] مسلم، کتاب النکاح، باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرہ۔

کھیلا کرتی تھی۔ میری کچھ سہیلیاں بھی میرے ساتھ شریک رہتی تھیں۔ جب آپ گھر تشریف لاتے تو وہ سب چھپ جاتیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں میرے پاس بھیج دیتے تھے اور وہ میرے ساتھ پھر سے کھیلنے لگی تھیں۔[۱]

یہ رسول اللہ کے اخلاق کی بلندی ہے کہ آپ نے شادی کے بعد اپنے گھر کھیل پر حضرت عائشہؓ کی نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کا بخوشی موقع فراہم کیا۔ اس میں کم عمروں کی نفسیات کی رعایت بھی ہے۔ کھیل کود سے منع کرنے میں ان کی نفسیات کو دھکا لگتا ہے۔

حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک یا خیبر سے واپس ہوئے۔ گھر میں سامان رکھنے کی الماری پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہوا چلی تو پردہ کا کنارہ ہٹ گیا اور وہ گڑیاں جن سے حضرت عائشہؓ کھیلا کرتی تھیں نظر آنے لگیں۔ آپ نے دریافت کیا اے عائشہؓ! یہ کیا ہے۔ میں نے کہا یہ میری گڑیاں ہیں۔ ان کے بیچ میں آپ نے ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو بازو تھے جو کپڑے کے ٹکڑوں سے بنے تھے۔ فرمایا گھوڑا اور اس کے بازو۔ میں نے عرض کیا۔ آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر بھی ہوتے تھے۔ اس پر آپ اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔[۲]

بچوں کو کھیل کود کا موقع فراہم کرنا، اس کی ترغیب دینا اور ہمت افزائی کرنا صحیح ہے بلکہ ان کی صحت اور تندرستی کے نقطۂ نظر سے پسندیدہ ہے لیکن اس کے ساتھ ان کی تربیت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ کھیل کود اور مذاق اور تفریح سے غلط اثرات ان پر پڑنے نہ پائیں۔ اس معاملہ میں شریعت کا احساس کتنا شدید اور نازک ہے اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عامرؓ کی روایت سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ میں اس وقت بچہ تھا۔ میں کھیلنے کے ارادہ سے نکل رہا تھا کہ میری ماں نے آواز دی کہ اے عبداللہ! آؤ میں تمہیں ایک چیز دوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا بچہ کو کیا چیز دینا چاہ رہی ہو۔ انھوں نے عرض کیا میرے ہاتھ میں کھجور ہے کھجور دوں گی۔ آپ نے فرمایا تم ایسا نہ کرتیں تو یہ تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔[۳]

---

[۱] بخاری، کتاب الادب، باب الانبساط الی الناس۔ مسلم، فضائل الصحابہ، فضائل عائشہ

[۲] ابوداؤد، کتاب الادب، باب اللعب بالبنات۔ [۳] مسند احمد: ۳/۴۴۷

ہنسی مذاق میں یا بچہ کو بہلانے کے لیے بھی جھوٹ بولنا اس کی شناعت کو کم کرنا ہے۔ حدیث میں اسی سے منع کیا گیا ہے۔ بچہ کے ساتھ جھوٹ بولنے سے وہ اس کی قباحت نہیں محسوس کرے گا اور اس کا امکان ہے کہ آہستہ آہستہ وہ اس کا عادی بھی ہو جائے۔

ابورافع بن عمرو الغفاری کہتے ہیں کہ میں کم سن تھا۔ انصار کے کھجور کے پیڑوں پر پتھر پھینک رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تم پتھر کس لیے پھینک رہے ہو؟ میں نے عرض کیا اس طرح جو کھجور گرتے ہیں انھیں کھا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا پتھر مار کر کھجور مت گراؤ البتہ جو گرے پڑے ہوں انھیں کھا سکتے ہو۔ پھر میرے سر پر دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی اے اللہ! اس کو شکم سیر کر دے[1]۔

یہ بچہ کی تربیت کا کتنا پیارا اور محبت بھرا انداز ہے۔

ہشام بن زید کہتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کے ساتھ حکم بن ایوب کے ہاں پہونچا۔ انھوں نے دیکھا کہ کچھ لڑکے مرغی کو باندھ کر تیر اندازی کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ اس طرح جانوروں کو باندھ کر مارنے سے رسول اللہ نے منع فرمایا ہے[2]۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ یحیی ابن سعیدؒ کے ہاں گئے دیکھا کہ ان کا ایک لڑکا مرغی کو باندھ کر تیر چلا رہا ہے۔ آپ نے اسے کھول دیا اور مرغی اور لڑکے کو لے کر پہونچے اور کہا کہ اپنے لڑکے کو تنبیہ کرو کہ وہ اس طرح پرندہ کو باندھ کر تیر اندازی کی مشق نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ بات میں نے آپؐ سے سنی ہے[3]۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مخاطب سے قریبی تعلق ہو تو اُسے سخت تنبیہ بھی کی جاسکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے ایک رشتہ دار کنکر پھینک رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اس کی وجہ آپ نے یہ بتائی کہ اس فضول حرکت سے نہ تو کوئی شکار ہو سکتا ہے اور نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ البتہ کسی راہ گزر کا دانت ٹوٹ سکتا ہے اور اس کی آنکھ پھوٹ سکتی ہے۔ اس کے

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی ابن السبیل یاکل من التمر

[2] بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب مایکرہ من مثلہ

[3] بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب مایکرہ من مثلہ

باوجود دوبارہ انھوں نے پتھر پھینکا۔ حضرت عبداللہ بن مغفل خفا ہو گئے اور فرمایا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات تمہیں بتا رہا ہوں اور تم اس کے خلاف کیے چلے جا رہے ہو۔ میں تم سے کبھی نہیں بولوں گا۔[۱]

بعض اوقات بچوں کی محبت میں جائز اور ناجائز کی تفریق ختم ہو جاتی ہے اور آدمی ہر طریقہ سے ان کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ کی رضاجوئی مقدم ہے اور ہر معاملہ میں آدمی کو اس کے احکام کا پابند ہونا چاہیے۔ اسی سے بچوں کی صحیح تربیت بھی ہوتی ہے۔

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حجرہ میں آہٹ سی محسوس کی۔ میں نے کہا کون ہے؟ جواب ملا کہ جبریل ہوں۔ میں نے کہا اندر آجایئے۔ جبریل نے کہا کہ میں نہیں آسکتا آپ ہی باہر تشریف لائیں۔ جب میں ان کے پاس پہونچا تو انھوں نے کہا کہ آپ کے گھر میں ایک ایسی چیز ہے کہ جب تک وہ ہے فرشتہ وہاں داخل نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہا ایسی کسی چیز کا مجھے علم نہیں ہے۔ جبریل نے کہا ذرا آپ اندر جائزہ لے کر دیکھیں۔ میں نے دیکھا (تو نئی بات یہی معلوم ہوئی) کہ وہاں ایک پلّا تھا جس سے حسنؓ کھیلا کرتے تھے۔ میں نے کہا ایک پلّے کے علاوہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ جبریل نے کہا جہاں ان تین چیزوں میں سے کوئی ایک بھی ہو۔ کتّا، جنابت اور کسی جاندار کی تصویر۔ وہاں فرشتہ نہیں پہونچ سکتا۔[۲]

دنیا کی ہر قوم میں شادی بیاہ کے مواقع پر خویش و اقارب اور دوست احباب کی طرف سے مسرت اور خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں کھانا پینا، ناچ گانا اور دوسری بہت سی لغویات شامل ہیں۔ اسلام نے خوشی کے اظہار کے ناپسندیدہ طریقوں کو ختم کیا، شادی میں سادگی کو رواج دیا۔ اس کے ساتھ جائز حدود میں خوشی کے اظہار کی گنجائش بھی رکھی۔

حضرت عائشہؓ اپنے نکاح کی تفصیل بیان کرتی ہیں کہ میں لکڑی کے گھوڑے پر سوار اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ میری والدہ ام رومان نے مجھے آواز دی۔ مجھے

۱؎ بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب الخذف والبندقۃ۔ مسلم کتاب الصید والذبائح، باب ما یستعان بہ علی الاصطیاد ۱/۲

۲؎ مسند احمد ج ۱ ص ۸۵

نہیں معلوم تھا کہ وہ کس لیے بلا رہی ہیں گھر پہونچایا۔ وہاں انصار کی کچھ عورتیں موجود تھیں۔ انھوں نے خیر و برکت اور خوش قسمتی کی دعائیں دیں، میری ماں کے کہنے پر انھوں نے میرا سر دھویا اور آراستہ پیراستہ کیا۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ رسول اللہؐ تشریف لائے اور مجھے آپ کے حوالہ کر دیا گیا۔[1]

شادی بیاہ کے کاموں میں عورتوں کو مردوں سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اس کی رعایت کی ہے۔ امام نووی نے اس سے بعض باتوں کا استدلال کیا ہے۔ ایک یہ کہ دلہن کو پاک صاف اور شوہر کے لیے آراستہ کرنا مستحب ہے۔ دوسرے یہ کہ اس مقصد کے لیے عورتوں کا جمع ہونا بھی مستحب ہے۔ فرماتے ہیں۔ شریعت نے اعلان نکاح کا حکم دیا ہے۔ یہ اسی میں شامل ہے۔ ان کی شرکت کا فائدہ یہ ہے کہ وہ (دلہن کی گھبراہٹ کو دور کرتی) اور اس کے اندر اُنس پیدا کرتی ہیں اور اسے شوہر سے ملاقات اور صحبت کے آداب سے روشناس کراتی ہیں۔[3]

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں عورتوں کی شرکت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو شادی سے واپس ہوتے دیکھا تو زور سے کھڑے ہوگئے اور فرمایا۔ اے اللہ! یہ لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔[4]

اسی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شادی میں نغمہ اور گیت گانے اور دف کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ محمد بن حاطب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فصل ما بین الحلال والحرام	حلال و حرام نکاح کے درمیان فرق
الدف والصوت فی النکاح[5]	دف کا استعمال اور آواز کا بلند ہونا ہے۔

---

[1] مسلم، کتاب النکاح، باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرہ۔ بخاری کتاب النکاح باب الدعاء للنساء اللاتی یہدین العرس
[2] بخاری، کتاب النکاح، باب نسوة اللاتی یہدین المرأة الخ
[3] نووی: شرح مسلم جزء ۹ ص۲۸
[4] بخاری، کتاب النکاح، باب ذہاب النساء والصبیان الی العرس۔ مسلم، کتاب النکاح، باب جواز تزویج الاب البکر الصغیرة۔

حدیث کا منشا یہ ہے کہ نکاح پوشیدہ طریقہ سے نہیں بلکہ علانیہ ہونا چاہیے۔ دور و نزدیک کے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ فلاں مرد اور عورت کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہے۔ اس کی ایک صورت دف کا بجانا اور مباح شعر و نغمہ کا پڑھنا اور دولہا دلہن کو مبارک باد دینا اور خوشی کا اظہار کرنا بھی ہے۔[۱]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص کا نکاح ہوا۔ دلہن کو میں نے رخصت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ! کیا تمہارے پاس کھیل کود کا سامان نہیں تھا؟ انصار کو کھیل پسند ہے۔[۲]

عامر بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں ایک شادی (ولیمہ) میں شریک ہوا۔ وہاں حضرت قرظہ بن کعبؓ اور ابو مسعود انصاریؓ بھی موجود تھے۔ میں نے دیکھا کہ لڑکیاں گا رہی ہیں۔ عرض کیا۔ آپ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور اہل بدر میں سے تھے۔ آپ کی موجودگی میں یہ حرکت، ہو رہی ہے۔ دونوں نے کہا۔ پسند کرو تو تم بھی بیٹھو اور سنو۔ جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ ویسے شادی کے موقع پر ہمیں کھیل کود کی رخصت دی گئی ہے۔[۳]

شادی بیاہ کے مواقع پر بعض اوقات جذبات پر قابو نہیں ہوتا۔ غلط اور ناجائز باتوں کا بھی ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ مسرت اور خوشی کا اظہار حدود کے اندر ہونا چاہیے۔ کسی حال میں حدود سے تجاوز کی اجازت نہیں ہے۔

رُبَیع بنت معوذ بن عفراءؓ کہتی ہیں جس روز میری رخصتی ہو رہی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور جس فرش پر میں بیٹھی تھی اسی پر تشریف فرما ہوئے۔ لڑکیاں دف کے ساتھ گا کر بدر کے ہمارے شہداء کا ذکر کرنے لگیں۔ اسی میں ایک لڑکی نے کہا 'وفینا نبی یعلم ما فی غد' ہمارے درمیان ایسے نبی موجود ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اسے ختم کرو وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔[۴]

---

[۱] ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی اعلان النکاح۔ نسائی، کتاب النکاح باب اعلان النکاح بالصوت۔

[۲] تحفۃ الاحوذی: ۲/۱۷۰

[۳] نسائی، کتاب النکاح، باب اللھو والغناء عند العرس

[۴] بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمہ۔

کسی بھی قوم کے تہوار اس کی تہذیب، معاشرت اور عقائد وافکار کے ترجمان ہوتے ہیں۔ ان میں پوری قوم اجتماعی طور پر خوشی مناتی اور اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ ایرانیوں کے دو اہم تہوار نوروز اور مہرجان تھے۔ ان کے زیر اثر مدینہ میں بھی یہ تہوار منائے جاتے تھے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ تہوار غلط تھے۔ مسلمان انھیں منا نہیں سکتے تھے۔ اس لیے انھیں تبدیل کر دیا گیا اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ مسلمانوں کے تہوار قرار پائے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں۔

كان لاهل الجاهلية	اہل جاہلیت کے سال میں دو دن
يومان فى كل سنة يلعبون	تھے جن میں وہ کھیل کود کیا کرتے (اور
فيهما فلما قدم النبى صلى	خوشی مناتے) تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ
الله عليه وسلم المدينة قال	علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو
كان لكم يومان تلعبون فيهما	فرمایا کہ تمہارے دو دن ایسے تھے جن میں
وقد ابدلكم الله بهما	تم کھیل کود کر خوشی مناتے تھے۔ اللہ تعالیٰ
خيرا منهما يوم الفطر و	نے ان کے عوض ان سے بہتر دو دن
يوم الاضحى [۱]	تمہیں عطا کیے ہیں۔ وہ ہیں یوم الفطر
	اور یوم الاضحیٰ۔

جاہلیت کے تہواروں میں کھیل کود کے ذریعہ بھی خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ اس میں کوئی قباحت نہیں تھی اس لیے اس کی گنجائش رکھی گئی۔ احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عید کا دن تھا کہ انصار کی کچھ لڑکیاں میرے پاس بیٹھی دف بجا کر گا رہی تھیں۔ وہ باقاعدہ مغنیات نہیں تھیں۔ بس خوش الحانی سے پڑھ رہی تھیں اور جنگ بعاث (جو اوس و خزرج کے درمیان زمانۂ جاہلیت میں ہوئی تھی) میں انصار کے کارنامے بیان کر رہی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطانی آواز؟ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ فرمایا ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے۔ یہ ہماری عید کا دن ہے[۲]۔ (انہیں خوشی کا اظہار کرنے دو)

---

[۱] نسائی، کتاب صلوٰۃ العیدین۔ ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ العیدین
[۲] بخاری، کتاب العیدین، باب سنۃ العیدین لاہل الاسلام۔ مسلم، کتاب العیدین۔

حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے ۔فرماتی ہیں کہ عید کے روز حبشہ کے لوگ مسجد میں نیزوں اور بھالوں کے ذریعہ کھیل کا مظاہرہ کررہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے درخواست کی یا آپ ہی نے دریافت فرمایا کہ کیا تم یہ کھیل دیکھو گی؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے مجھے اپنے پیچھے اس طرح کھڑا کرلیا کہ میرا رخسار آپ کے رخسارِ مبارک سے لگا ہوا تھا۔ جب میں تھک گئی تو آپ نے فرمایا کیا جی بھر گیا؟ میں نے عرض کیا ہاں! آپ نے فرمایا اچھا تو جاؤ۔[1]

ابن حبان کی روایت میں ہے۔

لما قدم وفد الحبشة	جب حبشہ کا وفد آیا تو اس کے
قاموا يلعبون في المسجد	لوگ مسجد میں کھیل کود کا مظاہرہ کرنے لگے۔

ان الفاظ سے خیال ہوتا ہے کہ حبشہ کے لوگ عموماً کھیل کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔[2]

ایک اور روایت میں ہے۔

لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ	جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف
وسلم المدينة لعبت الحبشة	لائے تو حبشہ کے لوگوں نے اس خوشی میں
لقدومه فرحا بذالك لعبوا	کھیل کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے اپنے نیزوں
بحرابهم[3]	سے اس کا مظاہرہ کیا۔

حضرت عمرؓ نے مسجد میں کھیل کود کا مظاہرہ کرنے والوں کو اس سے منع کرنے کے لیے ان پر کنکریاں پھینکیں۔ آپ نے فرمایا ۔دعهم يا عمر[4] یعنی انھیں کھیل جاری رکھنے دو منع مت کرو۔ اور کی روایت میں ہے کہ آپ نے حبشیوں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے فرمایا۔ دونكم يا بني ارفدة![5] اے بنی ارفدہ! (حبش کے لوگوں کا لقب) اسے جاری رکھو۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

---

[1] بخاری، کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید۔

[2] فتح الباری: ۲/۳۴۴

[3] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الغناء

[4] مسلم، کتاب العیدین

[5] بخاری، کتاب العیدین، باب الحراب والدرق یوم العید۔

لتعلم الیهود ان فی دیننا فسحة انی بعثت بحنیفیة سمحا[۱]	یہود کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے اور یہ کہ اللہ نے مجھے دین حنیف دے کر بھیجا ہے جس میں آسانی اور سہولت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو خشکی یہود کے ہاں ہے اس سے دین حنیف کا مزاج میل نہیں کھاتا۔

اس واقعہ کا ایک قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ حبشیوں نے اپنے فن کا مظاہرہ مسجد جیسی مقدس جگہ میں کیا۔ مشہور محدث مہلّب کہتے ہیں:۔

المسجد موضوع لامر جماعة المسلمین فما کان من الاعمال یجمع منفعة الدین واھله جاز فیه[۲]	مسجد مسلمانوں کی جماعت کی ضرورت کے لیے بنتی ہے۔ اس لیے ایسے اعمال جن سے دین اور اہل دین کو نفع پہونچے اس میں ان کا انجام دینا جائز ہے۔

دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے اس کھیل کو دیکھا اور اس میں دلچسپی لی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقویٰ اور دین داری کے منافی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

وفی الحدیث جواز النظر الی اللھو المباح[۳]	حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو کھیل مباح اور جائز ہیں وہ دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خوشی کے مواقع پر کسی ایسے فن اور ہنر کا مظاہرہ جس سے عام مسلمانوں کو فائدہ پہونچے غلط نہیں ہے۔ حبشیوں کے اس کھیل کے بارے میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ بظاہر یہ ایک کھیل ہے لیکن اس سے نیزہ اور تلوار چلانے کی مشق اور دشمن سے مقابلہ کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک پسندیدہ عمل ہے[۴]۔ حبشیوں کے اس

---

[۱] فتح الباری: ۴۴۴/۲   [۲] فتح الباری: ۵۴۹/۱
[۳] فتح الباری: ۵۴۹/۱   [۴] حوالہ سابق

مظاہرۂ فن کو کھیل اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں حقیقت پر عمل مقصود نہیں ہوتا۔ دکھایا جاتا ہے کہ دشمن پر حملہ ہو رہا ہے، لیکن حملہ نہیں ہوتا۔ اس پہلو سے یہ ایک کھیل ہے۔[1]

اہل عرب ایک طرف تکلف اور تصنع سے پاک اور سادہ مزاج تھے اور دوسری طرف جری، بہادر اور جنگ جو تھے۔ تیر و کمان اور شمشیر و سناں سے انھیں عشق تھا۔ وہ اس کی مشق اور تیاری میں لگے رہتے۔ یہ ان کی معاشرتی زندگی کا ایک حصہ اور ان کی تفریح اور دل چسپی کا بڑا ذریعہ تھا۔ اسلام نے ان کے اس رجحان کو تقویت پہونچائی البتہ اسے صحیح سمت اور دینی و اخلاقی رخ عطا کیا۔ قرآن مجید میں جنگ کے احکام دیتے ہوئے کہا گیا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ	اور ان کے مقابلہ میں جہاں تک
مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ	ہو سکے قوت اور تیار رہنے والے گھوڑے
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ	مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ اللہ کے
عَدُوَّكُمْ ..... (الانفال: ٦٠)	اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو۔

دشمن کے مقابلے میں جس جنگی قوت کو فراہم کرنے کا یہاں ذکر ہے، حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا "الا ان القوۃ الرمی"، قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔[2]

جس دور میں یہ بات کہی گئی اس میں تیر اندازی کو جنگ میں نمایاں اہمیت حاصل تھی۔ موجودہ دور میں جنگی قوت کا تعلق تیر اندازی سے نہیں توپ خانوں، بمبار طیاروں اور ان جدید اسلحہ سے ہے جو بحری اور بری جنگ میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ایک الگ موضوع ہے۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تیر اندازی جو اس دور کی جنگ کی ایک اہم ٹیکنک تھی اس کی آپ نے ترغیب دی اور تاکید فرمائی۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ ہی کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔

ستفتح علیکم ارضون	جلد ہی تمہارے لیے ممالک فتح

---

[1] فتح الباری: ۲/۴۴۳

[2] مسلم، کتاب الامارہ، باب فضل الرمی والحث علیہ الخ

ویکفیکم اللہ فلا یعجز احد کم ان یلھو باسھمہ[1] ہوں گے۔ دشمنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ تمہیں بچائے گا۔ لیکن تم میں سے کوئی بھی اپنے تیروں سے کھیلنے میں کم زوری اور سستی نہ دکھائے۔

اس ارشاد کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آئندہ تم مختلف ملکوں کو فتح کرو گے۔ اس طرح اللہ دشمنوں کے شر سے تمہیں بچائے گا۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم تیر اندازی میں تجربہ اور مہارت حاصل کرو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ملکوں کے فتح ہونے کے بعد تمہارے اندر غفلت نہ آنے پائے اور تم تیر اندازی کی مشق نہ چھوڑ بیٹھو۔ اسے جاری رکھو۔ یہ فتح و نصرت کا ذریعہ ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام تیر اندازی کی مشق فرمایا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمت افزائی ہوتی تھی۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد ہم لوگ تیر اندازی کرتے اور (اس وقت اتنی روشنی باقی رہتی کہ ہم میں سے کوئی بھی شخص اپنے تیر کے گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا[2]

حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ میں اور ایک انصاری لڑکا ایک روز صبح کے وقت نشانہ باندھ کر تیر چلا رہے تھے۔ جب سورج دو یا تین نیزوں کے برابر بلند ہو گیا تو اسے گرہن لگ گیا (اور سورج گرہن کی نماز پڑھی گئی)[3]

حضرت سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ قبیلۂ اسلم کے کچھ لوگ تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا تو فرمایا بنو اسمٰعیل! تیر چلاؤ تمہارے باپ ابراہیم بھی تیر انداز تھے۔ تیر چلاؤ میں فلاں خاندان والوں کے ساتھ ہوں۔ یہ سن کر دوسرے فریق نے ہاتھ روک لیے۔ آپ نے فرمایا تیر کیوں نہیں چلاتے؟ انھوں نے عرض کیا تیر کیسے چلائیں جب کہ آپ ان کے ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا تیر چلاؤ میں تم سب کے ساتھ ہوں[4]۔

---

[1] حوالۂ سابق [2] ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب وقت المغرب

[3] ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الکسوف

[4] بخاری، کتاب الجہاد، باب التحریض علی الرمی۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ پیرانہ سالی میں دو نشانات قائم کرکے ان کے درمیان تیر اندازی کے لیے دوڑ رہے تھے۔ فقیم اللخمی نے کہا کہ اس سن و سال میں آپ دوڑ لگا رہے ہیں۔ یہ آپ کے لیے مشقت کا باعث ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد میں نے سنا ہے۔ اسی وجہ سے یہ تکلیف برداشت کر رہا ہوں ورنہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ وہ ارشاد یہ ہے۔

من علم الرمی ثم ترکہ	جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے
فلیس منا اوقد عصی [1]	چھوڑ بیٹھا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
	یا یہ فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی ڈھال استعمال کر رہے تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ اچھے ناوک انداز تھے۔ جب وہ تیر چلاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھانک کر دیکھتے کہ تیر کہاں گر رہا ہے (اور کون اس کا نشانہ بن رہا ہے؟) [2]

غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن وقاصؓ کو اپنے ترکش سے تیر دے رہے تھے اور فرما رہے تھے "ارم فداك ابی وامی" (تیر چلائے جاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں) حضرت سعد تیر چلا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ترکش خالی ہوگیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے صرف حضرت سعد بن وقاصؓ کے بارے میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ سنے کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں [3]

تیر اندازی کے ساتھ اس میں اشتراک و تعاون اور اس کی صنعت کا فروغ بھی باعث ثواب ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ عزوجل یدخل	اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعہ
بالسھم الواحد ثلاثۃ	تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا

---

[1] مسلم، کتاب الامارہ، باب فضل الرمی والحث علیہ الخ

[2] بخاری، کتاب الجہاد، باب المجن ومن یترس بترس صاحبہ

[3] بخاری، کتاب المغازی، غزوہ احد

نفر الجنة صانعه
يحتسب في صنعته
الخير والرامي به
ومنبله وارموا
واركبوا وان ترموا
احب الي من ان تركبوا
ليس من اللهو الا ثلاث
تاديب الرجل فرسه
وملاعبته اهله و
رميه بقوسه ونبله
ومن ترك الرمي بعد ما
علمه رغبة عنه فانها
نعمة تركها اوقال كفرها۔[1]

ہے۔ اس کا بنانے والا جو اپنی صنعت
کے ذریعہ خیر اور ثواب کا طالب ہو۔ اس
تیر کا چلانے والا، اور تیر کے چلانے میں
مدد کرنے والا۔ تم تیراندازی اور گھڑسواری
کرو۔ تمہارا تیراندازی کرنا تمہاری گھڑسواری
سے بھی زیادہ مجھے پسندیدہ ہے۔ تین
چیزیں ایسی ہیں جو لہو ولعب میں شامل
نہیں ہیں۔ آدمی کا اپنے گھوڑے کو
سدھانا، اپنی بیوی سے ہنسی مذاق کرنا اور
اپنے تیر وکمان سے ناوک زنی کرنا جس
کسی نے تیراندازی سیکھنے کے بعد بے رغبتی
کے ساتھ اسے ترک کر دیا اس نے ایک
نعمت کو ترک کیا یا آپ نے فرمایا کہ اس
نے اس نعمت کی ناقدری کی۔

احادیث سے تیراندازی کی طرح گھڑسواری کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کی اہمیت اپنی جگہ ثابت ہے۔ لیکن آدمی گھوڑے پر سوار ہونے کے باوجود زیادہ فاصلہ سے دشمن پر حملہ نہیں کر پاتا۔ البتہ دور سے اس پر ناوک فگنی کی جا سکتی ہے۔ اس پہلو سے اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اسی کو حدیث میں نمایاں کیا گیا ہے۔

تیراندازی جرات وبہادری کی علامت ہے۔ اس کا سیکھنا، اس کی مشق کرنا اس میں تعاون کرنا، بشرطیکہ یہ سب پاکیزہ مقاصد کے لیے ہو تو عین ثواب ہے ورنہ باعث عذاب

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب الرمی۔ ترمذی، ابواب الجہاد، باب ما جاء فی فضل الرمی فی سبیل اللہ۔ نسائی، کتاب الجہاد۔